© rasailojaraid.com

قرآن سے محبت اور انگریز سے نفرت
ڈسٹرکٹ جیل میانوالی کا ایک گمشدہ صفحہ

حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ
انتخاب وترتیب: نبیرۂ امیرِ شریعت سید عطاء اللہ ثالث بخاری

میانوالی جیل کے مندرجہ ذیل واقعات پر مشتمل ایک مضمون حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے سب سے پہلے روزنامہ ’’آزاد‘‘ لاہور کے ’’قیدی نمبر‘‘ مؤرخہ ۱۶؍ رمضان المبارک ۱۳۶۶ھ، مطابق ۴؍ اگست ۱۹۴۷ء، صفحہ ۱۰؍ میں شائع ہوا۔ جسے مدیر ’’آزاد‘‘ جناب آغا شورش کاشمیری مرحوم نے حضرت امیرِ شریعت رحمہ اللہ کی مجلسی گفتگو کو تحریری شکل میں ڈھال کر شاملِ اشاعت کیا۔ بعد میں جانباز مرزا مرحوم نے اپنے ماہنامہ ’’تبصرہ‘‘ لاہور کے امیرِ شریعت نمبر (اگست، ستمبر ۱۹۶۲ء، صفحہ: ۴۵، ۴۶) میں دوبارہ شائع کیا۔

پہلے واقعے میں امیر مینائی کی جس غزل کا مقطع مذکور ہے اس غزل کی مکمل دریابی کے لیے ہم اپنے عزیز ہمدم ومہربان جناب ڈاکٹر عبدالرازق کے شکرگزار ہیں کہ انھوں نے دیوانِ امیر مینائی سے اس غزل کو مکمل کر کے فراہم کیا۔ ان کے شکریہ کے ساتھ مکمل غزل قارئین کی نذر ہے۔

ترتیب کے ابہام کے باعث دوسرے واقعے کے بارے میں بعض مصنفین کو یہ واہمہ پیدا ہوا کہ وہ شاید ڈم ڈم جیل، کلکتہ کی اسارت (اکتوبر ۱۹۳۰ء تا اپریل ۱۹۳۱ء) سے متعلّق ہے۔ جبکہ ایسا درست نہیں یہ دوسرا واقعہ بھی میانوالی جیل کے زمانۂ قید (مارچ ۱۹۲۱ء تا اکتوبر ۱۹۲۳ء) میں ہی پیش آیا۔ حضرت ابنِ امیرِ شریعت مولانا سید عطاء المؤمن بخاری مدظلہ نے خود لسانِ امیرِ شریعت سے اس واقعے کو ایسے ہی سنا، اسی طرح بنتِ امیرِ شریعت سیدہ امِّ کفیل بخاری رحمہا اللہ نے اپنی شاہکار کتاب ’’سیدی وابی‘‘ میں بھی اس کو میانوالی جیل میں ہی پیش آمدہ بتایا ہے۔ (مدیر)

میں دنیا میں ایک چیز سے محبت کرتا ہوں اور وہ ہے قرآن، مجھے صرف ایک چیز سے نفرت ہے اور وہ ہے انگریز۔ میں سمجھتا ہوں کہ زندگی کے تجربوں اور مشاہدوں نے میرے ان دو جذبوں میں بلا کی شدت اور حرارت پیدا کر دی ہے۔ محبت اور نفرت کے یہ دو زاویے ایسے ہیں کہ جن دماغوں میں ان کا سودا ہو، اُن کے لیے پابہ زنجیر ہندوستان میں جیل خانہ زندگی کے سفر کا ایک ایسا موڑ ہے جہاں کبھی طلب کے خیال سے رکنا پڑتا ہے، کبھی فرض کی کشاکش لے آتی ہے، کبھی جستجوئے منزل کا تقاضا پہنچا دیتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اب جیل خانے کی ’’آبرو پر بوالہوسوں نے پیش دستی شروع کی ہوئی ہے۔ ع

جو بادہ کش تھے پُرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں!

لیکن ۲۲ء کی تحریکِ خلافت کے زمانۂ قید پر غور کرتا ہوں تو نگاہوں میں ایک تصویر سی کھنچ جاتی ہے۔ میانوالی کی ڈسٹرکٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جیل، احباب کی ایک یادگار بزم...... سب اہل ذوق، اہل نظر، اہل دل اور اہل علم جمع تھے۔ مولانا احمد سعید دہلوی حدیث پڑھایا کرتے۔ عبدالمجید سالک دربار اکبری کا سبق دیتے، مولوی لقاءاللہ کی نپی تلی باتیں گفتگو میں رس پیدا کرتیں۔ صوفی اقبال پانی پتی کے ''اشغلے'' خدا کی پناہ! مولوی عبداللہ چوڑی والے (دہلوی) کی ٹکسالی گالیاں تبرک کی طرح تقسیم ہوتیں اور آصف علی کھلتے تو پھولوں کے تختے بچھ جاتے۔ جی خوش کرنے کے لئے مشاعروں کا اہتمام ہوتا، شاعر طرحی اور غیر طرحی کلام سناتے، کبھی سالکؔ صدر ہوتا کبھی آصف اور کبھی: ''قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند!''

اختر علی خاں نے ایک دفعہ معرکے کی غزل سنائی، سب لوٹ پوٹ ہو گئے میرا ماتھا ٹھنکا، کچھ یاد سا آ گیا۔ میں نے اختر سے کہا میاں مقطع کہو، وہ کسی قدر جھینپا اور کہا کہ: ''ابھی ہوا نہیں'' میں نے کہا تو لو...... پھر مجھ سے سنو! مقطع تھا:

جو مے کشی سے ہو فرصت تو دو گھڑی کو چلو امیرؔ مسجد جامع میں آج امام نہیں

سب ششدر رہ گئے ارے امیرؔ مینائی کی غزل اُڑا لی، سوالات کی ایک بوچھاڑ ہونے لگی، اختر علی خاں مقطع کے ساتھ ہی بزم سے غائب ہو گئے۔ دو دن روٹھے رہے، تیسرے دن بہ مشکل راضی کیا گیا۔ امیرؔ مینائی کا دیوان اُن کے تکیے تلے رکھا تھا، میں نے اُٹھایا تو غزل کا صفحہ ہی پھٹا ہوا تھا۔

جب طبیعت ذرا اور شگفتہ ہوتی تو اختر علی خان گھڑا بجاتے، صوفی اقبال مرحوم تالی پیٹتا، داؤد غزنوی 'حال کھیلتے' کبھی اختر گاتا، کبھی سالک، کبھی عاجز اور کبھی تینوں، وہ رنگ بندھتا کہ در و دیوار جھومتے اور کائنات بھی جھک کر گوش بر آواز ہو جاتی۔

اب کہاں لیکن وہ رنگا رنگ بزم آرائیاں یعنی سب نقش و نگارِ طاق نسیاں ہو گئیں

ہم میں سے کوئی رِہا ہوتا تو سب بچوں کی طرح روتے، بلکتے اور بادلِ نخواستہ الوداع کہتے۔ مولانا احمد سعید رہا ہونے لگے تو ان کی گھگی بندھ گئی۔ آنسوؤں کے تاروں سے نغمہ جدائی پھوٹ رہا تھا۔ اس قید کے علاوہ اور بھی کئی بار قید ہوئے لیکن وہ رنگ کبھی پیدا نہ ہوا۔

پنجاب کی تو تقریباً سب جیلیں دیکھی بھالی ہیں لیکن ۱۹۳۰ء میں ڈم ڈم جیل کلکتہ کی زیارت بھی ہو گئی۔ وہاں افسروں سے ایسی ٹھنی رہی کہ رہائی تک اکھاڑہ جما رہا۔ دوست زندانی مصائب سنانے میں لذت محسوس کرتے ہیں اور میں عیب۔ یہ اپنا اپنا زاویۂ نظر ہے، میں ان مصیبتوں کو رسوا کرنے کا عادی نہیں۔ میرے لیے جیل خانہ صرف نقل مکانی ہے۔ اپنے گرد و پیش باغ و بہار فراہم کر لیتا ہوں اور قید یوں گذر جاتی ہے جیسے صحراؤں سے بادل جب میں پہلی بار جیل خانے کی چار دیواری کے اندر داخل ہوا تو مجھے احساس ہوا کہ سلطنت افرنگ بھی زلیخا زادیوں کے ہتھکنڈوں سے استوار ہوئی ہے۔ میرا ورد تھا، رَبِّ السِّجۡنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدۡعُوۡنَنِیۡۤ اِلَیۡهِ۔ ''اے رب مجھے قید زیادہ پسند ہے اس بات سے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں''

ایک شب جیل خانے میں سورۃ یوسف کی تلاوت کر رہا تھا۔ چودھویں رات کا چاند آسمان پر جگمگا رہا تھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ قراءت کی تاثیر میں ڈوب کر ٹھہر گیا۔ ایک گھنٹہ اسی تلاوت میں گزر گیا۔ اتنے میں پنڈت رام جی لال سپرنٹنڈنٹ جیل نے پیچھے سے پکارا۔ دیکھا تو وہ کھڑا ہے اور رُخسار اس کے آنسوؤں سے تر ہیں۔ کہنے لگا شاہ جی خدا کیلئے بس کرو میرا دل قابو سے باہر ہو گیا ہے۔ اب مجھ میں رونے کی سکت نہیں۔ اللہ اللہ یہ قرآن کی تلاوت کا اعجاز تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک دن گورنمنٹ آف انڈیا کا برطانوی نژاد ہوم ممبر معائنے کیلئے آن پہنچا۔ میں بیٹھا ہوا کوئی کتاب دیکھ رہا تھا مجھ سے مخاطب ہوکر بولا: ''کہیے شاہ جی آپ اچھے ہیں؟''۔ میں نے کہا: ''خدا کا شکر ہے''۔ دوبارہ پوچھا: ''کوئی سوال؟''

''میں صرف اللہ سے سوال کیا کرتا ہوں۔'' یہ میرا جواب تھا۔

''نہیں میں آپ کی کوئی خدمت کر سکتا ہوں؟''

''جی ہاں! آپ میرا ملک چھوڑ کر چلے جائیے''۔ وہ فوراً لوٹ گیا۔

اس واقعے کو ۲۵ برس گزر چکے ہیں اور ربع صدی کے بعد انگریز خود کہہ رہا ہے کہ وہ جا رہا ہے جب وہ یہاں رہنے پر مُصر تھا تو ہندوستان جیل خانہ تھا اب وہ جانے کا اعلان کر رہا ہے تو ہندوستان آتش کدہ ہے۔

کہ ہم نے انقلابِ چرخِ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

میرے عقیدے میں اب بھی دو ہی چیزیں ہیں۔ ''قرآن کی محبت اور انگریز سے نفرت''

امیر مینائی کے مذکورہ بالا مقطع کی مکمل غزل یہ ہے۔ لیجئے اپنے شعری ذوق کے لطف کو دوبالا کیجئے:

فراق یار میں شب ہو کہ دن تمام نہیں — جو اس کی صبح نہیں ہے تو اس کی شام نہیں
ملی ہے دخترِ رز لڑ جھگڑ کے قاضی سے — جہاد کر کے جو عورت ملے حرام نہیں
وہ گالی دیتے ہیں شکوہ کرو تو کہتے ہیں — کسی کا ذکر نہیں ہے کسی کا نام نہیں
یہاں کمالِ تواضع وہاں کمالِ غرور — اِدھر ہیں سجدے پہ سجدے اُدھر سلام نہیں
گرہ سے کچھ نہیں جاتا ہے پی بھی لے زاہد — ملے جو مفت تو قاضی کو بھی حرام نہیں
فقیر گوشہ نشیں ہیں خدا کے درباری — کسی امیر کا مُجرا نہیں سلام نہیں
زمانے بھر میں پڑی ہے پکار حاتم کی — دیا ہے جس نے کہ حاتم کو اُس کا نام نہیں
کہا جو میں نے کہ رُخ سے کبھی نقاب اُلٹو — تو ہنس کے بولے کہ منظور قتلِ عام نہیں
یہ داغ کیوں ہے رخِ ماہتاب پرانے چرخ — جو میرے یار کا بھاگا ہوا غلام نہیں
کریم جان کے تجھ کو خطائیں کیں یارب — مرے گناہ سزاوارِ انتقام نہیں
جو مے کشی سے ہو فرصت تو دو گھڑی کو چلو — امیؔر مسجدِ جامع میں آج امام نہیں

میانوالی جیل کا ایک اور دلچسپ واقعہ

(بہ زبانِ امیرِ شریعت رحمہ اللہ بروایت ابنِ امیرِ شریعت حضرت مولانا سید عطاء المؤمن بخاری دام مجدہ)

پہلی قید کا اکثر حصہ میانوالی جیل میں گزرا، قید و بند کا یہ عرصہ جیل خانہ ہوتے ہوئے انتہائی خوشگوار بلکہ پُر بہار و یادگار گزرا۔ تمام اسیر آزادی پسند رہنما تھے۔ ادب شعر و سخن کے شناور، دلدادہ، سخن ساز، سخن فہم بھی تھے اور حسِ ظرافت سے مالا مال تھے۔ خوب محفلیں جمتیں۔ ملکی و قومی مسائل کے حل کیلئے حکمت و تدبر کے موتی بکھیرے جاتے۔ وہاں مشاعرے اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شعر و سخن کی محفلیں بھی برپا ہوتیں۔ایک مرتبہ میں نے ایک عالم دین (غالباً حضرت تھانوی رحمہ اللہ) کے وعظ کا واقعہ سنایا جس میں نام بگاڑنے اور چڑنے چڑانے کی مذمت پر بیان فرمایا گیا تھا۔مولانا نے وعظ میں فرمایا کہ: ''نام بگاڑنا بہت بڑا گناہ ہے۔اس سے معاشرتی، سماجی رویوں میں کشیدگی پیدا ہوتی ہے۔ایسے ہی اگر کوئی نام بگاڑے یا کسی کو چڑائے تو اُسے چڑنا نہیں چاہیے''۔مولانا کے اس وعظ ونصیحت پر مبنی بیان کے مجمع میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب جو غالباً تحصیلدار تھے اُنھوں نے تکرار کے ساتھ دو تین مرتبہ چڑنے، چڑانے کی اس نصیحت سے متعلق کہا کہ:۔''ہاں صاحب اگر کوئی کسی کو چڑاتا ہے تو بالکل نہیں چڑنا چاہیے۔بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ کوئی کسی کو چڑائے اور وہ چڑ جائے، مولانا بالکل صحیح فرما رہے ہیں کہ نہیں چڑنا چاہیے۔''تحصیل دار کے ساتھ ہی ایک منچلا بیٹھا تھا اِس اندازِ تائید پر اُس کی رگِ ظرافت کے ساتھ ساتھ رگِ شرارت بھی پھڑک اُٹھی اُس نے بھی اُن کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا کہ بالکل قطعاً نہیں چڑنا چاہیے۔اس منچلے آدمی نے وعظ کے اُسی مجمع میں تحصیلدار صاحب سے انتہائی سنجیدگی اور متانت سے پوچھا کہ: ''آپ کے ہاں شلجم کا اچار ہوگا؟''تحصیلدار نے بڑے آرام سے جواب دیا: ''نہیں بھائی ہمارے ہاں شلجم کا اچار نہیں ہے۔'' دس منٹ کے بعد اُس منچلے نے پھر متانت سے بھرپور چہرے کے ساتھ اپنا وہی سوال دہرایا۔تحصیلدار صاحب! میں نے عرض کیا تھا کہ آپ کے ہاں شلجم کا اچار ہے؟ اب تحصیلدار صاحب کچھ تھوڑی سی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے بولے: ''بھائی عجیب آدمی ہو ایک بار کہہ دیا کہ نہیں ہے تو دوبارہ پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔؟'' اب کے اس آدمی نے وقت کو کم کر کے پانچ منٹ کے بعد وہی سوال دہرایا۔اب تحصیلدار بگڑ کر بولے کہ: ''عجیب بدتمیز آدمی ہو ایک بار دو بار کہا ہے۔خاموش رہو اور وعظ سنو''۔ اب منچلا بھی سمجھ گیا کہ تیر نشانے پر بیٹھ گیا ہے۔دو منٹ کے بعد اپنے سوال کے نتیجے میں پیدا ہونے والی یقینی صورتِ حال کے پیشِ نظر اپنے جوتے ہاتھ میں لیے۔اُس نے اپنا وہی سوال پھر دہرایا کہ: ''تحصیلدار صاحب! آپ کے ہاں شلجم۔۔۔''ابھی اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ تحصیلدار آپے سے باہر ہوگئے کہ عجیب بدتمیز وغیرہ وغیرہ جو منہ میں آیا کہہ ڈالا اور اسکی طرف مارنے کے لیے لپکے۔وہ آدمی شلجم کا اچار، شلجم کا اچار کہتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا، وہ آگے آگے اور تحصیلدار صاحب پیچھے پیچھے۔مجمع میں اچھا خاصا انتشار پیدا ہوا اور لوگ وعظ سننے کی بجائے اس تماشے کو دیکھ کر ہنستے مسکراتے رہے۔وہ منچلا نوجوان تحصیلدار صاحب کے محلّہ اور مکان سے بھی واقف تھا۔دوسرے دن علی الصبح وہ ان کے محلّہ میں پہنچا اور محلے کے بچوں کو کچھ پیسے دے کر بہلا پھسلا کر اس پر آمادہ کرلیا کہ وہ اپنے گھروں سے کٹوریاں، کٹورے لا کر تحصیلدار کے گھر کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور جیسے ہی وہ گھر سے نکلیں تو سب بچے بیک آواز شلجم کے اچار کا نعرہ بلند کریں۔اب جیسے ہی تحصیلدار صاحب سر پر کلے دار پگڑی اور بدن پر اچکن سجائے اور چمکتی جوتی کے ساتھ دروازے سے باہر نکلے تو بچوں نے بیک آواز شلجم کے اچار کا نعرہ بلند کیا۔تحصیلدار صاحب بھنّا گئے، اُن کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں، کیا کہوں اور کیا نہ کہوں وہ بچوں کو گالیاں دیتے ہوئے واپس گھر گئے اور دروازے کو زور سے بند کر دیا اور اندر سے کنڈی لگا دی۔پھر پورے علاقے میں شلجم کا اچار ان کی چڑ بن گئی۔اس سے تنگ آ کر وہ مکان کے ساتھ ساتھ محلّہ بھی چھوڑ گئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ واقعہ میں نے اپنے جیل کے ساتھیوں کو سنایا، سب نے سنا۔ یہ تھا چڑنے کا انجام۔ غالباً دوسرا دن تھا میں جیل کی اپنی کوٹھڑی میں بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں مولانا داؤد غزنوی آئے اور شاہ جی کہہ کر مجھے بلایا، میں ان کی طرف متوجہ ہوا، انہوں نے شہادت کی انگلی پر انگوٹھا رکھتے ہوئے پوچھا: ''آپ کے پاس پِن ہوگی؟'' میں نے انتہائی آرام سے جواب دیا: ''نہیں مولانا! میرے پاس پن نہیں ہے'' وہ واپس چلے گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اختر علی خان آئے اور انہوں نے بھی اُسی طرح مجھے بلا کر پوچھا: ''شاہ جی آپ کے پاس پِن ہوگی؟'' اِس پر میرا ماتھا ٹھنکا کہ کل کے سنائے ہوئے واقعہ کا مجھ پر تجربہ کیا جا رہا ہے۔ میں سمجھا ہو نہ ہو یہ شرارت عبدالمجید سالک کی ہے۔ اب یکے بعد دیگرے دو تین اور احباب آئے اور انہوں نے یہی سوال کیا، لیکن میں نے انہیں تلخی میں آئے بغیر استفہامیہ انداز میں جواب دیا: ''کہ نہیں میرے بھائی! میرے پاس پن نہیں ہے۔'' اب میں انتظار میں تھا کہ سالکؔ آئے اور اُسے میں صحیح جواب دوں، کہ اتنے میں سالکؔ آ گیا اور اُس نے جیسے ہی سوال کیا کہ: ''شاہ جی آپ کے پاس پن ہوگی؟'' تو میں کوٹھڑی سے باہر آ گیا اور سالکؔ کے ساتھ باقی احباب جو باہر کھڑے تھے سب کو مخاطب کر کے کہا: ''کیوں کیا بات ہے؟ کہ باری باری مجھ سے پن مانگنے آتے ہو، کیا تم سب کے بچے اُدھڑ گئے ہیں؟۔'' اس پر سالکؔ کھسیانا سا ہو کر جیسے پیچھے ہٹا، تو باقی حضرات جو اِس انتظار میں تھے کہ میں مشتعل ہو کر باہر نکلوں اور وہ پن پن کا شور مچا کر مجھے چڑانے کی سالکی سازش میں کامیاب ہو جائیں، ان سب نے با آوازِ بلند قہقہہ بلند کیا۔

یہ واقعہ ابا جی رحمۃ اللہ علیہ سے میانوالی جیل کے حوالے سے کئی بار سنا۔ لیکن افسوس !! کہ سالک نے اپنی کتاب ''یارانِ کہن'' میں اس واقعہ کے آخری حصہ کو انتہائی نادرست انداز میں پیش کیا ہے۔ اور اس سے بڑھ کر آغا شورش کاشمیری مرحوم نے بھی اپنی کتاب ''سید عطاء اللہ شاہ بخاری'' میں اس واقعہ کو سالکؔ کی بیان کردہ مکذوبہ روایت پر ہی اعتماد کر کے شائع کیا اور اس واقعہ کی حقیقت جاننے کے لئے حضرت امیر شریعت سے رجوع نہیں کیا۔ عبدالمجید سالکؔ اپنی شخصیت میں ناپائیدار قسم کے آدمی تھے، حضرت امیر شریعت سے بھی تعلق خاطر تھا اور مرزائی نوازی کا معاملہ بھی کبھی مخفی کبھی ظاہر چلتا رہتا تھا۔ اپنی سوانح حیات میں خود لکھا کہ میرے والد احمدی تھے اور ان کے مرزا بشیر الدین محمود کے ساتھ خاص تعلقات تھے، وہ ہمارے گھر گرمی کے موسم میں لازمی طور پر اپنے باغات کے آموں کے ٹوکرے بھیجا کرتے تھے۔ شورش مرحوم چونکہ صحافی تھے اس لئے اُن کی کتاب ''سید عطاء اللہ شاہ بخاری، سوانح و افکار'' تحقیق و تدوین کے بجائے ایک صحافیانہ تبصرہ کے درجے کی کتاب ہے۔ ورنہ جانا جا سکتا ہے کہ جو شخص پاکیزہ کردار، پاکیزہ زبان و کلام کا حامل ہو، جس کی زندگی کھلی کتاب ہو، دشمن بھی جس کو خراجِ تحسین دیے بغیر نہ رہ سکے، جس کی گفتگو سے پون صدی تک ہندوستان کے طول و عرض میں مختلف الخیال، مختلف رنگ و نسل و مذاہب، اقوام و ملل کے لوگ دیوانہ وار متاثر ہوئے اور اُن کے انتقال کو پچپن برس گزر جانے کے باوجود آج بھی لوگوں کے دلوں کے ساتھ دھڑکتا زندہ جاوید ہے۔ اس کی زبان سے مغلظات؟ چہ معنی دارد۔

© rasailojaraid.com